بے خبر گروہ: اسلامی ملکوں میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ (دونوں طبقے) علومِ اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ (سید سلیمان ندوی کے نام)

عجمی تصوّف: عجمی تصوّف سے لٹریچر میں دل فریبی، حُسن اور چمک پیدا ہوتی ہے مگر یہ انسان کے طبائع کو پست کرنیوالا ہے۔ (لسان العصر کے نام)

پردہ: عورت کا جنسی تقدس اس امر کا متقاضی ہے کہ اُسے اجنبی نگاہوں سے بہر نو محفوظ رکھا جائے۔ عورت ایک بہت عظیم ذریعہ تخلیق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی تخلیقی قوتیں مستور و محجوب ہیں۔ (اعجاز "پوسٹ" لندن)

مصنوعاتِ یورپ: یورپ کی بنی ہوئی چیزیں خوبصورت ضرور ہوتی ہیں مگر ان میں اخلاقی زہر ہوتا ہے۔ (روزگارِ فقیر جلد دوم؛ مسواک پر گفتگو۔ صفحہ ۱۵۸)

مادی تعبیر: میں مسلمان ہوں اور انشاءاللہ مسلمان مروں گا۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادی تعبیر سراسر غلط ہے۔ (غلام السیدین کے نام)

طاقت کا زوال: جب طاقت عقل و دانش کو پسِ پشت ڈال کر اپنی ذات پر بھروسہ کر لیتی ہے تو نتیجہ خود طاقت کا زوال ہوتا ہے۔ (مس فارقوہرسن کے نام)

مسلمان امراء: مسلمان امراء اسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت و اہمیّت سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ (مولوی محمد جمیل کے نام)

عورت: جس قوم نے عورت کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی۔ وہ کبھی نہ کبھی اپنی غلطی پر ضرور پشیمان ہوئی ہے۔ عورت کا اصل کام آئندہ نسل کی تربیّت ہے۔ ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہے۔ بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوسناک کوشش ہے۔ (روزگارِ فقیر جلد اوّل صفحہ ۶۶)

صوفی عقائد: مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں ایک عرصہ تک ایسے عقائد و مسائل کا قائل رہا جو بعض صوفیہ کے ساتھ خاص ہیں لیکن قرآن شریف پر تدبّر کرنے کے بعد قطعاً غیر اسلامی ثابت ہوئے (اسرارِ خودی اور تصوّف۔ وکیل امرتسر۔ ۱۵ جنوری ۱۹۱۵ء)

ایک شب حکیم الاُمّت کے ساتھ

پروفیسر منیر چوھدری ۔ ملتان

"یہ عالمِ خیال اور وارداتِ خواب کی دُھندلی شبیہہ ہے تاہم علاّمہ اقبال کے ارشادات کی صحت مستند ہے۔"

سرمئی شام شفق کا گلابی آنچل اوڑھے انار کلی بازار سے ہوتی ہوئی شاہ عالمی مارکیٹ کی طرف مُڑی تو رات تاروں بھرے آسمان تلے اسکی منتظر تھی اچانک بازاروں میں روشنیاں جگمگا اُٹھیں، پارکوں کی چہل پہل بڑھ گئی اور باغوں کی رونق دوبالا ہوگئی، گلیاں زندہ دِلان لاہور کے قہقہوں سے گونجنے لگیں اور لاہور ایک ایسا بانکا سجیلا گھبرو دکھائی دینے لگا جو رنگ و نُور میں نہا کر خوشیوں کا چولا پہنے میلہ گھومنے چلا آیا ہو۔ سڑکوں پر گھومتی ٹولیاں چوراہوں کی طرف رواں دواں تھیں۔ گھنگرو بجاتا سجا سجایا ٹانگہ نندیا پُوری کی کُشادہ سڑک پر بھاگ رہا تھا۔ صبا رفتار گھوڑے کو تھپکی دیتا کوچوان بادشاہ لہک لہک کر سیف الملوک گانے لگا۔

ٹانگہ جاوید منزل پہ رُکا تو سادہ کپڑوں میں ملبوس کندھے پہ مفلر دھرے خشخشی داڑھی والا ایک لمبا تڑنگا آدمی باہر کھڑا تھا۔ میرے استفسار پر یہ شخص مجھے اندر لے گیا۔ ڈاکٹر اقبال صرف بنیان اور دھوتی پہنے ہوئے تھے اور تکیے سے پُشت ٹکائے پلنگ پر نیم دراز تھے۔ حُقّے کی نے ان کے ہاتھ میں تھی اور اخبارات سامنے بکھرے پڑے تھے۔ علی بخش نے تعارف کراتے ہوئے جب بتایا کہ میں ارضِ پاکستان سے آیا ہوں تو علاّمہ نے چونک کر دیکھا۔ نظریں ایسی تیکھی تھیں گویا میرے چہرے سے منافقت اور خود غرضی کی تحریر پڑھ رہی ہوں۔

"کہو کیسی ہے ہ کشور لاالصحرائی" نظروں نے پُوچھا۔ میں نے سرکاری ملازموں کا روایتی کردار ادا کرتے ہوئے ہاتھ باندھے اور خوشامدانہ لہجے میں جواب دیا۔

"اللہ کا بڑا فضل ہے۔ سب اچھا ہے اور اب تو ہم پاکستان میں اسلامی سماجی انقلاب کے لئے کوشاں ہیں۔"

میرے جواب پر ڈاکٹر اقبال جلال میں آگئے انکا چہرہ حدّتِ جذبات سے تمتما اُٹھا۔ آنکھیں شرر ناک ہوگئیں اور ہونٹوں سے جملوں کا سیلِ تُند خو بہہ نکلا۔

کون لائے گا یہ اسلامی انقلاب؟ وہ نوجوان لائے گا جس کا گلا اہلِ مدرسہ نے گھونٹ دیا ہے، جس کا علم اجداد اور عملِ الحاد کے گرد گھومتا ہے جو گرمیٔ افکار سے محروم اور جوہرِ ادراک سے تہی دامن ہے جس کا گوہرِ تربیت خام اور نشترِ تحقیق کند ہے جسے ہنگامہ ہائے سیاست کی تن آسانی قبول ہے لیکن مہر و ماہ کی جگر چاکی کا حوصلہ نہیں جس نے سوزِ دماغ کی بساط پر بیٹھ کے سوزِ جگر کو جوئے پر لگا دیا ہے جس کی نگاہ سرمۂ خاکِ مدینہ و نجف سے ناآشنا ہو کر جلوۂ دانشِ فرنگ سے خیرہ ہو رہی ہے جس کی جوانی داغدار اور ضربتِ کاری کمزور ہو گئی ہے جس کی شاہین صفتی صحبتِ زاغ کی نذر ہوتی جا رہی ہے۔ یا وہ استاد انقلاب برپا کرے گا جو فریبِ سود و زیاں کے بھنور میں پھنس گیا ہے جو ارتباطِ حرف و معنی کا اسیر اور مباحثِ نظری کا نخچیر ہے جس نے علم کی عطائے خسروانہ چھوڑ کر ٹیوشن کی روشِ گدایانہ اختیار کر لی ہے جس کی کم بصری نے متاعِ غرور کا سودا کر لیا ہے جس کے پاس خرد کی دی ہوئی خبر ہے حق کی عطا کردہ نظر نہیں جو اب قوم کا معمار نہیں، فقط قصۂ جدید و قدیم کا راوی ہے۔

تم اس شاعر سے انقلاب کی توقع رکھتے ہو جس کا حرف بے سوز اور عمل زار و زبوں ہے، جس کی آتشِ نوائی شراب خانہ ساز میں بجھ گئی ہے جس کا مرغِ خانہ نوائے سرکش نہیں رہا صدائے ناؤ نوش ہو گیا ہے۔ جسے تشنگیٔ صحرا اور محملِ لیلیٰ نے ہوٹلوں کی زینت بنا دیا ہے جس کا دل ہنگامے سے خالی اور ترنم معانی سے معرا ہے جس کے نورانی اشعار ساقی کے جامِ ظلمت سے چھلکتے ہیں اور جس نے جہانِ مرغ و ماہی میں قصیدہ گوئی کا کاروبارِ لات و منات شروع کر رکھا ہے جس کا لہو گرماتا انقلاب خود سر کاغذ کی لکیروں میں ٹھٹھر رہا ہے۔

کیا ادیب یہ کسبِ کمال کر دکھائے گا جو نفسِ آتشناک کے بغیر ہی حرمِ نو کی تعمیر چاہتا ہے۔ جو بندۂ نام و نمود اور گرفتارِ حاضر و موجود ہے جس کی گفتگو دقیق اور معانی سادہ ہیں جو جہانِ تازہ کی بنیاد افکارِ تازہ کی بجائے بوسیدہ کتابوں کے ڈھیر پر رکھنا چاہتا ہے جو حرمِ وجود کو روشن کیے بغیر سپہرِ کبود پر اورنگِ مہرِ جہاں تاب دھرنا چاہتا ہے جو ضمیرِ بندۂ خاکی سے ناآشنا ہے اور بزمِ تنقید میں چشمِ غلط بیں کا فسانہ برپا کیے ہوئے ہے۔

پھر یہ انقلاب وہ مفکر لائے گا جو زندگی کی اساس حقیقتِ ابدی کو بھول چکا ہے؟ جو حیات کو طلسمِ افلاطون کی کڑی سمجھتا ہے جس نے فلسفے کی نمود خونِ جگر سے نہیں خلیۂ دماغ سے کی ہے جو صدف کی باریکیوں میں گوہرِ یکدانہ کی قدر کھو بیٹھا ہے۔ مفکر جو زندگی کے عقدۂ مشکل کشود سے بے بہرہ مظاہرِ فطرت کی پیچاک میں الجھ گیا ہے۔ تو کیا گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ کو بیچ کھانے والے پیرانِ حرم انقلاب لائیں گے؟ مشرق کی تاریک رات گواہ ہے کہ ان پیرانِ حرم کی آستین میں کوئی یدِ بیضا نہیں، جن کے جذبِ عمل بے بنیاد اور مزاج خانقاہی ہیں جن کی فکر بے نور مسلمانوں

کی شب تارِ حیات کو روشن کرنے سے قاصر ہے ۔ جو تقلید کی کورچشمی میں ام الکتاب کو زیبِ طاق کئے ہوئے ہیں جن کی اذان شبستانِ وجود کو لرزانے کی بجائے پیمانۂ امروز و فردا بن گئی ہے ۔

اور کیا یہ انقلاب اُس مزدور کے بس میں ہے جو حیرت خانۂ روز و شب میں اپنا مقصدِ وُجود بھول گیا ہے وہ مئے غفلت کا سرمست جو قادر و عادل کے جہاں میں لہو پیتے مساوات پر خاموش و مہر بلب ہے جو خیمۂ افلاک کے نیچے پیکارِ عناصر کا سادہ تماشائی ہے ۔

یا تمہارا انقلاب سرمایہ دار کے ہاتھوں آئے گا جو خُونِ رگِ مزدور سے لعلِ ناب تراش رہا ہے جو تدبر کی فسوں کاری سے کارِ دہقاناں کو خراب ترکئے جا رہا ہے جو بندوں کی کوچہ گردی پہ بلند بامی کے محل تعمیر کر رہا ہے جس نے غریبوں کو آرزوئے روزِ مکافات بخشی ہے ——— یا وہ اشتراک کی نوید انقلاب بنے گا جو پُورے انسانی معاشرے کی اساس شکم کو ٹھہرا رہا ہے ۔ جو خیمۂ خواجگی کی طناب توڑنے کے لئے سلسلۂ حیات کو ہیچ ہیچ کئے جا رہا ہے جو عاقبت بینی سے محروم ہو کر اک کلیمِ بے تجلی اور اک مسیحِ بے صلیب کے پیچھے چل کھڑا ہوا ہے ۔ جو سماج کو مئے "لا" سے مدہوش کرنے کے لئے مینا بدوش کھڑا ہے لیکن ابھی تک پیمانۂ الّا کی اہمیّت سے آشنا نہیں ہوا ۔

کیا یہ انقلاب وہ جمہوریت پسند لے کر آئے گا جو جوہرِ انسانی پرکھ سے قاصر ہے جو بندوں کو تولنے کی بجائے گننے پر اکتفا کرتا ہے جو سیاستِ لادین کے اسپِ برق رفتار پر سوار ہو کر کنیز اہرمن جمہوریت کی تلاش میں نکلا ہے جو دلِ خبیر و بصیر نہ رکھنے کے باعث مردہ ضمیری کو منزل سمجھ بیٹھا ہے جس نے یورپ کے روشن چہرے کو تو دیکھا ہے لیکن چنگیز سے تاریک تر اندرون پہ نظر نہیں ڈالی ۔

نہیں یہ انقلاب نہیں آسکتا ۔ انقلاب کبھی میرِ سلطان یا پیرِ فقیر نہیں لایا کرتے انقلاب تو قومیں لاتی ہیں ، زندہ قومیں! انقلاب کا اکھوا دل میں پھُوٹتا ہے ، دماغ میں پھُولتا ہے ۔ سوچوں میں گدرا تا ہے کاوشوں میں تناور ہوتا ہے اور گلستانِ عمل میں ثمربار ہو جاتا ہے لیکن جب دِلوں پر ہوس کا زنگ ہو دماغ پر خواہشوں کا پہرا ہو ۔

سوچوں میں مصلحت کے گھروندے ہوں کاوشوں سے پرہیز اور عمل سے اجتناب ہو تو اپنے من میں ڈوب کر بھی سراغ زندگی نہیں ملتا ۔ جب کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا ہے ۔ جب خودی موت کی چادر اوڑھ لے ، شاہین کرگسوں کے جہاں میں اُڑنے لگیں ، شمشیر و سناں متروک اور طاؤس و رباب محبوب ہو جائے ، جہاد کی تلوار جمود کی نیام میں زنگ آلود ہونے لگے ، مردِ مومن ، قتیلِ شیوۂ آذری اور انسانِ کامل ہلاکِ جادوئے سامری ہو جائے نانِ جویں موجود ہو پر قوتِ حیدری باقی نہ رہے ۔ اللہ کے شیر روباہ صفت ہونے لگیں ستیزہ گاہِ جہاں میں حریفانِ پنجہ فگن کا رنگ سُرخ و سفید ہو

جائے زمانہ با تو نہ سازد کا جواب تو با زمانہ بساز ہو جائے۔ تکبیروں سے طلسمِ شش جہات پارہ پارہ نہ ہو، امام بے حضور اور نمازیں بے سرور ہو جائیں، فغانِ نیم شبی دم توڑ دے اور آہِ سحر گاہی منجمد ہو جائے۔ جہاں صنم کدہ بن جائے مگر ابراہیم ناپید ہونے لگیں اور لا الٰہ الا اللہ حدیثِ بے خبراں ہو جائے تو جان لو کہ اس قوم میں انقلاب نہیں، عذاب آنے والا ہے۔"

شدتِ جذبات سے علاّمہ کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا اسی اثنا میں علی بخش حقہ تازہ کر لایا اور اس نے پلنگ کے دائیں ہاتھ دونوں کھڑکیوں سے پردے سرکا دیئے میں نے پھر خوشامدی جملوں سے گفتگو کا دھارا موڑنا چاہا۔

"ڈاکٹر صاحب ایسی مایوسی کی بات بھی نہیں پاکستان آپ کے خوابوں کی تعبیر ہے آپ ہی نے تو پیش گوئی کی تھی کہ سحر کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد —— ایسی بستیاں جہاں آسمان سحر کے نُور سے آئینہ پوش ہو کر رات کی ظلمات کو سیماب پا کر دے گا۔ یہی بستی آج پاکستان کی شکل میں بزمِ گیتی کو عطر بار کر رہی ہے اور ارضِ پاکستان کے لوگ، وہ تو آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، چاہتے ہیں آپ کو۔"

علاّمہ نے حقے کا لمبا کش لیا اور عقابی نظروں سے گھورتے ہوئے بولے۔ "جانتا ہوں اس محبت کو، واقف ہوں اس چاہت سے، کیا کیا ہے قوم نے میرے ساتھ؟ مجھ فقیرِ بے کلاہ و بے گلیم کو بھی انہوں نے دیوانہ و مجنوں بنا دیا ہے مجھ پر پتھر برسائے ہیں لاپرواہی کے، قریشِ مکہ کی معنوی اولاد مجھے بھی شاعر و ساحر مشہور کر رہی ہے میں محرمِ رازِ درونِ مے خانہ تھا انہوں نے مری نوائے پریشاں کا نام شاعری رکھ دیا۔ میں جوانوں کو بیدار کرنا چاہتا تھا انہیں یومِ اقبال کی افیون سے سُلا دیا گیا۔ میں نئی نسل کو سوزِ جگر بخشنا چاہتا تھا انہیں شعبہ اقبالیات کی بھول بھلیاں بخشی گئیں۔ میں لوگوں میں جانا چاہتا تھا مجھے لائبریریوں کے اُونچے خانوں میں قید کر دیا گیا۔ میرا کلام طبلہ و سارنگی کی صلیبِ اذیت پر لٹکا یا گیا۔ میرے الفاظ قوالوں کے ترنّم سے چاک چاک کر دیئے گئے۔ میرے معانی غزل سراؤں کی سرتیوں سے گھائل کر ڈالے گئے۔ میرے افکار نام نہاد دانشوروں کی تقریروں سے لہولہان ہوئے میرا پیغام اربابِ اقتدار کے ہاتھوں فگار ہوا۔ میری خواہش کشورِ خواب پاکستان کے چوراہوں میں تمہارے سامنے تڑپتی رہیں۔ تم نے اپنے ہر محسن کا خون کیا، ہر مسیح کو سولی دی، ہر سقراط کو زہر دیا اور ہر دانائے راز کو عقیدت کی کند چھری سے ذبح کر دیا۔" علاّمہ اقبال کی آواز بھرا گئی۔ گلا رندھ گیا اور آنکھوں سے جوئے خون بہنے لگی۔ اب وہ خاموش تھے اور ان پر عالمِ استغراق طاری تھا۔ میں نے الفاظ ذہن میں دُہرائے "تم نے ہر محسن کا خون کیا، ہر مسیح کو سولی دی۔ ہر سقراط کو زہر دیا اور ہر دانائے راز کو عقیدت کی کند چھری سے ذبح کر دیا۔ ایسی قوم پر انقلاب نہیں عذاب آتا ہے۔" عذابِ خوف سے میری رگوں کا خون جم گیا کہ اچانک ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور جادۂ منزل لرز کے رہ گئی۔ پھر گویا کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا۔ زمین کے پاؤں اکھڑ گئے اور پے در پے جھٹکوں سے میری آنکھ کھلی تو حلق خشک